© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

مسجد الاقصیٰ اور المسجد الاقصیٰ

جناب مولانا عبدالمالک صاحب۔ ناظم شعبۂ استفسارات۔ منصورہ۔ لاہور

سوال:- آپ کی خدمت میں ایک سوال عرض کرنا چاہتا ہوں جس کی غرض صرف علمی اور اپنے عقیدے کو درست کرنا ہے۔ میرا مطالعہ (خصوصاً اسلام پر) بہت محدود ہے اس لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ کا ماہنامہ تقریباً ایک عرصہ سے زیر مطالعہ رہا ہے جس کی افادیت پر روشنی ڈالنا اس کے علمی معیار کو کم کرنے کے مترادف ہے۔

کچھ ہی دن ہوئے سیارہ ڈائجسٹ کا چودہ صدیاں نمبر زیر مطالعہ رہا۔ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کا مضمون اولین مساجد میرے لیے حیرت انگیز ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے مسجد الاقصیٰ کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے اس کو میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

قرآن میں المسجد الاقصیٰ ہے اور حدیث میں مسجد الاقصیٰ

دونوں ایک نہیں مسجد الاقصیٰ مضاف مضاف الیہ ہیں اور المسجد الاقصیٰ صفت موصوف۔ دوسرے بخاری کے ہاں مسجد الاقصیٰ کا لفظ ہے۔ لیکن بخاری کے استاد ابوالیمان کی کتاب نیز صحیح مسلم میں اس کی جگہ "مسجد ایلیا" کا ذکر ہے۔ بیت المقدس کو اسلام سے پہلے "ایلیا" کہتے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہرقل سے سفیرِ نبوی کی ملاقات بھی "ایلیا" میں بیان ہوئی ہے۔ جب عبدالملک بن مروان نے (خلافتِ بنی امیہ میں) وہاں قبۃ الصخرہ کی عمارت تعمیر کی تو اس نے اسے مسجد الاقصیٰ کا نام دیا۔ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آپ کی لائبریری میں ضرور چودہ صدیاں نمبر ہوگا۔ آپ بھی اس کا مطالعہ کریں۔

میرے ذہن میں تین سوال ابھرتے ہیں:۔

ا۔ حضور اکرمؐ قبلہ اول کی طرف جو نماز ادا کرتے تھے جب کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کے احکامات نہیں آئے تھے۔ کیا وہ یہی مسجد نہ تھی؟

۲۔ معراج کے واقعہ میں حضورؐ اکرم نے جو نماز انبیائے کرام کے ساتھ پڑھی تھی اور امامت بھی کی تھی کیا وہ یہی مسجد نہ تھی؟

۳۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کیا۔ حضرت بلال حبشیؓ نے جو اذان اس وقت دی تھی، کیا وہ یہی مسجد نہ تھی؟

میں اپنی چند کتابیں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر دوبارہ پڑھی، اور سیرت سرورِ عالمؐ میں معراج کے واقعہ کو دوبارہ پڑھا لیکن میری اُلجھن دُور نہ ہو سکی۔ براہ کرم آپ میری اس اُلجھن کو ضرور دُور کریں گے۔ اور مجھے آپ کے ادارہ سے بھی قوی امید ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے مضمون کے جواب میں ضرور علمی دلائل کے ساتھ جواب دیں گے۔

جواب:۔ آپ کی توجہ دلانے پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے مضمون کا مطالعہ کیا گیا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے مسجد اقصیٰ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر واقعی ذہن میں وہ سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔ آپ کی طرح بہت سے دوسرے لوگ بھی اس مضمون کے مطالعے کے بعد اس طرح کی اُلجھن کا شکار ہوئے ہوں گے اس لیے ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے متعلقہ حصے پر اظہارِ خیال کرنا ضروری خیال کیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے مسجد اقصیٰ کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے اُس پر گفتگو کرنے سے پہلے ان کے اپنے الفاظ میں اس کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"سورۂ اسراء میں معراج کا ذکر ہے۔ سبحٰن الذی اسری بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ یعنی پاکی ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذات تعالیٰ کے لیے جس نے اپنے بندہ کو رات کے وقت المسجد الحرام سے المسجد الاقصیٰ کا سفر کرایا) المسجد الاقصیٰ کے لفظی معنی بہت دُور کی مسجد، جس شخص کو ساتوں آسمانوں سے بھی پرے سدرۃ المنتہیٰ سے بھی ماورا مقام قاب قوسین تک پہنچایا گیا ہو تو اُسے جزیرہ نمائے عرب کے ہمسایہ اور قریب ترین مُلک یعنی بیت المقدس کی (جسے قرآن ہی نے ادنی الارض قریب ترین سرزمین کا نام دیا ہے) عبادت گاہ لے جانے کا ذکر کرنا معقول نہیں معلوم ہوتا - ان علما کا ذکر ہی درست معلوم ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ المسجد الاقصیٰ سے مراد قرآن مجید میں البیت المعمور یعنی فرشتوں کی مسجد ہے جو عرش بریں کے عین نیچے پائی جاتی ہے، اس پر بعض لوگ اعتراض کر سکتے ہیں کہ صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ میں رسول اللہ کا فرمان ہے کہ سواریوں کو سفر کے لیے نہ کسا جائے بجز مسجد حرام (مکہ)، مسجد نبوی (مدینہ) اور مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) کے - حدیث صحیح ہے لیکن اس سے ثابت کچھ بھی نہیں ہوتا - کیونکہ ایک تو اس حدیث میں مسجد الاقصیٰ کا ذکر (بخاری میں) ہے اور قرآن میں المسجد الاقصیٰ ہے - دونوں ایک نہیں، مسجد الاقصیٰ، مضاف مضاف الیہ ہیں اور المسجد الاقصیٰ صفت موصوف - دوسرے بخاری کے ہاں مسجد الاقصیٰ کا لفظ ہے، لیکن بخاری کے اُستاد ابوالیمان کی کتاب نیز صحیح مسلم میں اس کی جگہ "مسجد ایلیا" کا ذکر ہے ...... جب عبدالملک بن مروان نے خلافت بنی اُمیہ میں وہاں قبۃ الصخرہ کی عمارت تعمیر کی تو اُس نے اسے مسجد الاقصیٰ کا نام دیا .... اُس وقت شاہوں کی تسلی اور دلدہی کے لیے عبدالملک نے مسجد الاقصیٰ تعمیر کرائی اور اس کا حج شروع کرایا (جیسا کہ ابن کثیر نے تفصیل سے بیان کیا ہے) ان حالات میں سورۂ اسریٰ میں بیت المقدس کی مسجد کا ذکر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا"۔

گویا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نزدیک "المسجد الاقصیٰ" سے بیت المقدس کی مسجد مراد لینا معقول معلوم نہیں ہوتا - اور اُن کے نزدیک اس نام کی مسجد اُس وقت دُنیا میں موجود بھی نہیں تھی۔ بعض احادیث میں اگر اس نام کا ذکر آیا بھی ہے تو وہ "مسجد الاقصیٰ" کے الفاظ کے ساتھ آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور وہ بھی درحقیقت "مسجد ایلیا" کے لفظ کو مسجد الاقصیٰ سے بعد کے کسی راوی نے تبدیل کر دیا ہے۔ ورنہ فی الحقیقت اس نام سے کسی مسجد کا وجود اس وقت ہوا، جب عبدالملک بن مروان نے قبۃ الصخرہ کی عمارت تعمیر کر کے اس کا نام مسجد الاقصیٰ رکھا۔ گویا اُن کے نزدیک اس نام سے ایک مسجد کا وجود عبدالملک بن مروان کا رہینِ منت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا موقف علمی لحاظ سے کچھ بھی وزن نہیں رکھتا۔ اُن کا یہ فرمانا کہ "سورۂ اسراء میں بیت المقدس کی عبادت گاہ تک لے جانے کا ذکر کرنا معقول معلوم نہیں ہوتا" بجائے خود معقول نہیں ہے۔

اس سلسلے میں متعلق دلائل درج ذیل ہیں:-

۱- سر[illegible] کے تمام مراحل میں سے ہر مرحلہ اپنے اندر ایک زبردست قسم کا اعجاز رکھتا ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے بیت المقدس اور اس کے بعد ساتوں آسمانوں اور ان سے پرے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ مسجد الحرام سے اس سفر کے آغاز، اور سدرۃ المنتہیٰ سے ماوراء، قاب قوسین پر اس سفر کے منتہیٰ ہی کو بیان کیا جاتا اور سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام کے بعد الی قاب قوسین او ادنیٰ کہا جاتا یا من المسجد الحرام الی سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا یا من المسجد الحرام الی البیت المعمور کہا جاتا اور اگر ایسا نہ کہا جاتا تو وہ غیر معقول ہو کر رہ جاتے۔

۲- قرآن پاک کی تفسیر کرتے ہوئے کسی لفظ کے معنی متعین کرنے کے سلسلے میں سامعین کے فہم کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے لہٰذا اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اس کلام کے سامعین نے "من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ" کے الفاظ سے کیا مفہوم اخذ کیا ہوگا اور ان کے تصورات کے لحاظ سے المسجد الاقصیٰ کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے۔ جب اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اہل عرب میں "المسجد الاقصیٰ" کے نام سے کوئی مسجد آسمانوں میں معروف نہ تھی۔ لہٰذا "المسجد الاقصیٰ" کا ایسا مفہوم نکالنا جس سے اہل عرب واقف ہی نہ ہوں غلط ہوگا۔ البتہ ڈاکٹر صاحب اگر اس طرح کی کسی مسجد کا تصور "اہل عرب" کے کلام سے پیش کر دیں تو اس سے ان کے موقف کو تقویت مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان کرنا ہوتا جو ڈاکٹر صاحب اس آیت سے نکالنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے " من الارض الی السماء " کے الفاظ زیادہ موزوں، مناسب اور متبادر الی الفہم ہوتے نہ کہ " من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ "۔

۳ — جب مسجد الحرام کے مقابلہ میں کسی مسجد کا ذکر آئے گا تو لازماً اس سے ذہن کسی ایسی مسجد ہی کی طرف منتقل ہوگا جو مسجد حرام کی طرح زمین پر ہو نہ کہ آسمان پر۔

۴ — اگر قرآن پاک میں " المسجد الحرام " بیت المعمور کے لیے استعمال ہوا ہے تو بیت المعمور اس نام کے ساتھ بیت المقدس کے عبادت خانہ سے زیادہ معروف ہوتا۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ " مسجد اقصیٰ " یا " المسجد الاقصیٰ " کا لفظ سن کر کسی مسلم و غیر مسلم کا ذہن " بیت المعمور " کی طرف منتقل ہونے کی بجائے " بیت المقدس کے عبادت خانہ " کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقام کے لیے " المسجد الاقصیٰ " کا لفظ استعمال کیا ہے وہ تو نہ چل سکا اور عبدالملک بن مروان نے جس مقام کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا، وہ رائج ہوگیا۔ کیا یہ چیز قابل تسلیم ہے؟ کوئی بھی شخص جو معمولی فہم و ادراک رکھتا ہو قرآنی نام کے عدم رواج اور عبدالملک بن مروان کے نام کے رواج پا جانے کو تسلیم نہیں کرسکتا۔

۵ — لفظ اقصیٰ کے معنی بقول ڈاکٹر صاحب " بہت دور کی مسجد " کے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب " ادنی الارض " قریب ترین سرزمین اور " بہت دور کی مسجد " میں منافات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ " قریب ترین سرزمین " کی بجائے " خود اپنی سرزمین " میں بلکہ اپنے شہر میں بھی ایک مسجد کو " المسجد الاقصیٰ " کہا جا سکتا ہے۔ جب ایک شہر میں ایک محلے کے لحاظ سے تمام مساجد کو دیکھا جائے تو کسی ایسی مسجد کو جو اس محلے میں سب سے زیادہ دور ہوگی، " المسجد الاقصیٰ " کہنا بالکل درست ہوگا۔ اس لیے کہ اس ترکیب میں خود مسجد کو دور قرار دیا گیا ہے۔ دوری مسجد کی صفت ہے نہ کہ اس ارض کی جس میں وہ مسجد واقع ہے۔

مسجد اقصیٰ کو مسجد حرام کی نسبت سے اس لیے اقصیٰ کہا گیا ہے کہ مسجد حرام کی نسبت جن اہم مساجد کے سامنے ہے اُن میں سے یہ مسجد ان سب کی بہ نسبت زیادہ دور ہے۔" وقال غیر واحد انہ مسمی بہ لانہ ابعد المساجد التی تزار من المسجد الحرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دبینھما نحو من اربعین لیلۃ" متعدد علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے، اُن سب میں یہ مسجد حرام سے زیادہ دُور ہے، دونوں کے درمیان چالیس دن رات کی مسافت ہے۔ (رُوح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۹)۔

۶ — ڈاکٹر صاحب نے اس کا ایک ہی معنی بیان کیا ہے "بہت دُور کی مسجد" حالانکہ اس کے اصل معنی دوسری مساجد سے بڑھ کر دُور کی مسجد کے ہیں۔ اور اس اصل معنی کے لحاظ سے مسجد حرام سے کئی مساجد کا مقابلہ مان کر ان میں بیت المعمور کو شامل کر کے اُسے "اقصیٰ" کہنا پڑے گا۔ کیا اس بات کی ضرورت ہے کہ آسمان کی ایک مسجد کو زمین کی مساجد میں شامل کر کے اس کو ان کی بہ نسبت مسجد حرام سے اقصیٰ قرار دیا جائے؟

۷ — "مسجد اقصیٰ" کا ایک معنی "گندگیوں اور خباثت سے دُور" بھی کیا گیا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے اسے بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ قرآن پاک میں اسے اسی لحاظ سے "المسجد الاقصیٰ" کہا گیا ہو، اور سرے سے وہ اشکال ہی نہ پیدا ہو جس کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب "مسجد الاقصیٰ" کے متعارف معنی کو چھوڑ رہے ہیں۔

۸ — یہ بات اُمت میں تواتر سے چلی آ رہی ہے کہ بیت المقدس میں جو عبادت خانہ ہے اُس کا نام مسجد اقصیٰ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں معروف تھا۔ آج تک کسی ایک عالم فقیہ، مؤرخ یا کسی عام مسلمان نے اس میں شک نہیں کیا اور اسی بنیاد پر اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۂ اسراء میں "معراج" کے جس حصّے کو نقل کیا گیا ہے وہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کے عبادت خانہ) تک تو قطعی طور پر قرآن پاک سے ثابت ہے، رہے معراج کے دوسرے مراحل تو اُن کی حیثیت اس قدر قطعی نہیں ہے جس قدر اس مرحلہ کی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں" ومن ھنا قالوا الاسراء الی بیت المقدس قطعی ثبت بالکتاب فمن انکرہ فھو کافر والمعراج لیس کذالک فمن انکر فلیس بکافر بل مبتدع"۔ (روح المعانی جلد ۱۵ ص ۱۳)

"اس وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ بیت المقدس تک کا اسراء قطعی ہے کتاب سے ثابت ہے جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور معراج کی حیثیت یہ نہیں، اس لیے اس کا منکر کافر نہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبتدع ہے)۔

مسجد اقصیٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وھو احد المساجد الثلاث التی تشد الیھا الرحال والاربع التی یمتنع من دخولھا الدجال" (وہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی خاطر سفر کیا جاتا ہے اور ان چار میں سے ایک ہے جن میں دجال کا داخلہ نہیں ہو سکے گا) (روح المعانی جلد ۱۵ ص ۹)

مزید فرماتے ہیں: "وھو ثانی مسجد وضع فی الارض لخبر ابی ذر قلت یا رسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اولا قال المسجد الحرام قلت ثم ای قال المسجد الاقصیٰ قلت کم بینھما قال اربعون سنۃ" (یہ دوسری مسجد ہے جو زمین میں بنائی گئی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کی رو سے۔ فرماتے ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تو آپ نے فرمایا "المسجد الحرام"۔ میں نے عرض کیا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا "المسجد الاقصیٰ"۔ میں نے عرض کیا دونوں کے درمیان میں کتنے عرصے کا فاصلہ تھا۔ آپ نے فرمایا چالیس سال کا) (روح المعانی جلد ۱۵ ص ۱۱)

امام بخاری نے جو حدیث میں اجتہاد کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ اسراء کی ان آیات کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک کے سفر کے ساتھ خاص کرتے ہوئے اسراء کا الگ باب باندھ کر ان آیات کو اس کے تحت درج کیا ہے۔ اور معراج کا الگ باب باندھ کر اس کے تحت دوسری آیات کو نقل کیا ہے۔ ابن کثیر نے امام صاحب کے اس طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کے نزدیک بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا ذکر ہے۔ اور اس سلسلہ میں خود امام بخاری کی کتاب کا یوں حوالہ دیتے ہیں:۔

"ثم قال البخاری عن عکرمۃ عن ابن عباس فی قولہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الافتنۃ للناس قال ھی رؤیا عین اسری بہ الی بیت المقدس" (یہ رؤیا جسمانی آنکھوں سے تھا اور بیت المقدس تک کی سیر سے اس کا تعلق ہے)

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۳ ص ۱۱۵ تا ۱۱۷)

امام رازی لکھتے ہیں:۔ "الی المسجد الاقصیٰ اتفقوا علی ان المراد منہ بیت المقدس

© rasailojaraid.com

سمی بالاقصیٰ لبعد المسافة بینه و بین المسجد الحرام" (تفسیر الکبیر جلد ۲۰ ص ۱۴۶ - مطبوعہ طہران)۔

(علماء نے بالاتفاق "المسجد الاقصیٰ" سے بیت المقدس مراد لیا ہے اور اسے اقصیٰ کہنے کی وجہ سے مسجد حرام اور مسجد بیت المقدس کے درمیان مسافت کی دُوری ہے)۔

عماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں" الی المسجد الاقصیٰ ھو بیت المقدس الذی بایلیاء معدن الانبیاء من لدن ابراھیم الخلیل علیه السلام" (مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۴)۔

(مسجد اقصیٰ بیت المقدس ہے جو ایلیاء میں ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں انبیاء کا مرکز تھا)۔ اس سلسلہ میں تمام روایات کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" واذا حصل الوقوف علی المجموع ھٰذہ الاحادیث یحصل مضمون ما اتفقت علیه من مسرای رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من مکة الی بیت المقدس" (مختصر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۳)

(ان سب روایات سے جو مضمون متفق طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا سفر مکہ سے بیت المقدس تک تھا)۔ اس کی تعمیر میں لکھتے ہیں:۔

" فقد کان بنی ایضاً فی زمن اسحاق و یعقوب علیهما السلام لکن بنیانهٗ علی التمام و کمال الهیئة کان علی عهد سلیمان علیه السلام" ج ۲ ص ۳۵۴)

(اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کے زمانہ میں بھی اس کی تعمیر کی گئی تھی لیکن پوری طرح مکمل شکل میں سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی تعمیر ہوئی)۔

ابن کثیر جن کے حوالہ سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اُسے عبدالملک بن مروان کی تعمیر کردہ مسجد قرار دے کر قرآن و حدیث میں اس کے ذکر سے انکار کیا ہے انہی ابن کثیر کے حوالے ہم نے درج کیے ہیں، اُن کی روشنی میں یہ حقیقت از خود واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی اختراع کو کس طرح ابن کثیر رح کے سر منڈھ رہے ہیں۔

۹ — ابن کثیر رح نے اتنا ضرور لکھا ہے اور یہ حقیقت مسلّم ہے کہ عبدالملک بن مروان نے

© rasailojaraid.com

کئی مساجد کی تعمیر کی جن میں جامع دمشق بھی شامل ہے، جسے اپنے دور کے مسلم اور غیر مسلم تمام لوگوں نے ان کے ایک بہت بڑے اور بے نظیر کارنامے کے طور پر تسلیم کیا، جن میں قبۃ الصخرہ کی عمارت بھی شامل ہے۔ اور یہ بات بھی کسی حد تک درست ہے کہ اس کی تعمیر کردہ مسجد اقصیٰ نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا اور کچھ لوگوں نے اس کا طواف بھی کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ بات قطعاً بے بنیاد ہے کہ اس کا نام بھی عبدالملک بن مروان نے رکھا تھا، جامع دمشق کے علاوہ مسجد نبوی کی تعمیر بھی عبدالملک اور ان کے بیٹے ولید نے کی، تو کیا اس سے یہ لازم آجائے گا کہ "مسجد نبوی" بنو امیہ کا رکھا ہوا نام ہے۔ اس طرح بیت المقدس کے ایک حصے کی تعمیر اگر عبدالملک بن مروان نے کر دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ مسجد اقصیٰ کا نام بھی انہی کا رکھا ہوا ہے۔ بلکہ ابن کثیر کے الفاظ تو اس بات کو صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ نام تو پہلے سے تھا۔ عبدالملک نے صرف اتنا کیا کہ اس کی تعمیر کر دی۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

"وفیہا ابتدا عبد الملک بن مروان ببناء القبة علی صخرة بیت المقدس وعمارة الجامع الاقصیٰ وکملت عمارته فی سنة ثلث وسبعین" (البدایہ والنہایة ج ۸ ص ۲۸۰)

(اور اس سال عبدالملک بن مروان نے صخرہ بیت المقدس پر قبۃ اور جامع الاقصیٰ کی عمارت کی تعمیر کا آغاز کیا اور اس کی تکمیل ۷۳ھ میں ہوئی)۔

۱۰ــــ ڈاکٹر صاحب نے مسجد الاقصیٰ اور المسجد الاقصیٰ میں جو فرق کرنے کی کوشش کی ہے ـــ اہل علم جانتے ہیں کہ اس میں ذرہ برابر بھی وزن نہیں ہے۔ مسجد الاقصیٰ اور المسجد الاقصیٰ میں معنوی اعتبار سے کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ مسجد الاقصیٰ بے شک لفظاً مضاف اور مضاف الیہ ہیں لیکن معنیً موصوف صفت ہیں۔ اور عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے اس طرح کا تغیر عام بات ہے۔ موقع اور محل کے لحاظ سے موصوف صفت کو مضاف مضاف الیہ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں المسجد الحرام آیا ہے۔ لیکن ایک حدیث میں "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، مسجد الحرام ومسجدی هذا والمسجد الاقصیٰ" آیا ہے۔
(ابن ماجہ باب ما جاء فی الصلوٰة فی مسجد بیت المقدس)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا حدیث کے ان الفاظ کے پیش نظر یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآنِ پاک میں المسجد الحرام آیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں مسجد الحرام سے کوئی اور مسجد مراد ہوگی، نہ کہ وہ جس کا سورۂ اسراء میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے احادیث سے مسجد اقصیٰ کے ثبوت کو مشکوک بنانے کے لیے ایک تو مسجد الاقصیٰ اور المسجد الاقصیٰ میں خانہ زاد فرق کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ المسجد الاقصیٰ، مسجد الاقصیٰ اور "مسجد ایلیاء" کے الفاظ کے اختلاف کا سہارا لے کر مسجد "ایلیا" کے نام کو ثابت اور مسجد اقصیٰ کے نام کو غیر ثابت قرار دے دیا، حالانکہ ایک چیز کے ایک سے زائد نام بھی ہو سکتے ہیں۔ اور سب کے سب صحیح بھی ہو سکتے ہیں۔ اور تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ بیت المقدس کا نام ایلیا بھی تھا، جس کا اصل معنیٰ "بیت اللہ" کے ہیں۔ تو اس کے بعد بیت المقدس، مسجد ایلیاء اور مسجد اقصیٰ کے مختلف ناموں کے استعمال سے کسی ایک کی نفی کیسے ہو سکتی ہے۔

"قال الحافظ السھیلی قولہ عزوجل الی المسجد الاقصیٰ یعنی بیت المقدس وھو ایلیا معنی ایلیاء بیت اللہ" (حافظ سہیلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "الی المسجد الاقصیٰ" سے مراد بیت المقدس ہے اور یہی ایلیا بھی ہے، جس کے معنیٰ "اللہ کا گھر" کے ہیں)۔ (حاشیہ محمد علی صابونی علی مختصر ابن کثیرؒ جلد ۲ ص ۳۵۲)

۱۲۔۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکینِ مکہ نے واقعۂ اسراء کے سلسلے میں جو اعتراضات کیے ان سب کا تعلق باتفاق روایات بیت المقدس تک کے سفر سے تھا۔ بخاری و مسلم اور حدیث کی تمام صحیح اور درجۂ شہرت کو پہنچنے والی روایات میں ان اعتراضات اور آپؐ کی پریشانی کا ذکر ہے۔ یہ اعتراضات اس کے بغیر کیسے ممکن ہو سکتے تھے کہ آپؐ نے ان کے سامنے سورۂ اسراء کی آیات تلاوت فرما کر اپنے سفر بیت المقدس کی خبر نہ دی ہو، گویا کہ جملہ اہل لسان نے سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ سے بیت المقدس کا عبادت خانہ سمجھ کر آپ سے سوالات کیے اور آپؐ ان کے سوالات سے بہت پریشان ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی صداقت ظاہر کرنے کی خاطر بیت المقدس کو آپؐ کے سامنے کر دیا اور آپؐ نے ایک ایک کر کے ان کے سوالات کے جوابات دیے۔" عن جابرؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن عبد اللہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذبنی قریش حین اسری بی الی بیت المقدس قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ (رواہ احمد والشیخان) نحبی با لمسجد وانا انظر الیہ" (احمد، بیہقی، نسائی)۔

(جابر بن عبد اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب مجھے بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا اور قریش نے میری تکذیب کی تو میں "حطیم" میں کھڑا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری نگاہوں کے سامنے روشن کر دیا تو میں دیکھ کر اس کی نشانیاں انہیں بتاتا گیا) اور احمد، بیہقی، نسائی کی روایت میں بیت المقدس کی جگہ "مسجد" کے الفاظ آئے ہیں۔ (مسند احمد، بخاری، مسلم)

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ تواتر سے ثابت شدہ حقائق کو اس طرح کی بے حقیقت لفظی بحثوں سے جھٹلانا رواج پا جائے تو دنیا کی کوئی حقیقت بھی ثابت نہیں رہ سکتی۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام فقہاء، محدثین، مؤرخین اور عامۃ المسلمین کو بنو امیہ نے دھوکہ دے دیا ہے۔ اور جو نام انہوں نے "مسجد ایلیا" کے لیے رکھا۔ اس کو سب نے آنکھیں بند کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا دیا ہوا نام سمجھ لیا۔ اور اس زمانے میں کوئی اختلافی و احتجاجی رائے سامنے نہ آئی۔ البتہ صدیاں گزرنے کے بعد ایک دانشور ایسا نکل ہی آیا جو بنی امیہ کی اس چال کو بھانپ گیا اور اس نے یہ انکشاف کر ہی ڈالا کہ مسجد اقصیٰ کا نام بنو امیہ کے خاندان کے ایک فرد عبد الملک بن مروان نے رکھا تھا؟

پس ڈاکٹر صاحب کی یہ بات صرف اسی صورت میں قابل التفات ہو سکتی ہے جب وہ تاریخ سے اس بات کا صریح ثبوت پیش کریں کہ "مسجد اقصیٰ" کا نام عبد الملک بن مروان نے رکھا تھا ورنہ ایسا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

احتیاط:۔ ترجمان القرآن میں ضرورت استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com